

رحم و کرم خواب و خیال سے زیادہ نہیں، چالباز اور جھوٹوں کے ساتھ تو حکمران احسان اور حسن سلوک کر سکتے ہیں، مگر مخلص کی جگہ ان کی نظر میں جیل یا کوئی نہایت تکلیف دہ جگہ ہی ہو سکتی ہے، گو اس سے بھی انکار نہیں کہ اللہ کے بندے آج بھی کہیں کہیں نظر آ جاتے ہیں، مگر یہ شاذ و نادر ہی۔

سلطان محمد بن تغلق جو بڑی خوبیوں کا بادشاہ گذرا ہے، اور جو اپنی سخاوت اور فیاضی میں بہت مشہور ہے، اس کی دینی شغف کا اندازہ اس اقتباس سے لگائیے،

”نماز، روزہ کے علاوہ مستحبات و نوافل اور وظائف و اوراد تک کا اہتمام اور ان کی پابندی کرنا اور ممنوع اور نشہ آور چیزوں سے اور ہر اس فعل سے کہ جس پر معصیت کا اطلاق ہو سکتا ہے پرہیز کرتا تھا۔“

یہ تو اپنا ذاتی حال تھا، اور تبلیغ کا یہ حال تھا جیسا کہ ابن بطوطہ کا بیان ہے۔

”سلطان کا حکم تھا کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اس کو سزا دی جائے اس نے بہت سے لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا، کہ جو شخص جماعت کے وقت بازار میں ملے اس کو پکڑ کر لائیں، سلطان کا حکم تھا کہ ہر شخص نماز اور اسلام کے احکام سیکھے، چنانچہ لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے، اور انھیں کاغذوں پر لکھواتے تھے۔“

اس بادشاہ پر خدا کی رحمتیں ہوں، کہ اس نے اپنی عبدیت کو خوب سمجھا، اور اپنے فرائض کو جیسا چاہئے ادا کیا، اس واقعہ میں مسلمان کلمہ گو حکمرانوں کے لئے عبرت و بصیرت کے تابناک اسباق ہیں، کاش موجودہ مسلمان اس بات کو سمجھیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔

ہمارے ہندو بھائی انگریزوں کی تعلیم سے متاثر ہو کر کہیں گے کہ تب تو یہ بادشاہ متعصب رہا ہوگا، مگر حاشا وکلا ایسی بات نہیں، جو دیندار ہوتا ہے، وہ عادل اور خدا ترس ہوتا ہے اور اس کی نظر میں سارے رعایا برابر ہوتے ہیں، چنانچہ یہ بادشاہ بھی بڑا انصاف اور عدل گستر تھا،

ابن بطوطہ کا بیان ہے

”میں نے سلطان محمد بن تغلق سے زیادہ منصف اور عدل گستر کوئی نہیں دیکھا، ایک مرتبہ ایک ”ہندو امیر“ نے دعویٰ کیا، کہ بادشاہ نے اس کے بیانی کو بلاوجہ مار ڈالا ہے، قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا، تو بادشاہ بغیر کسی ہتھیار کے قاضی کے سامنے عام ملزموں کی طرح حاضر ہوا، اور قاضی کو سلام کیا، اور تعظیم سجالایا، پہلے سے حکم تھا کہ بادشاہ عدالت میں حاضر ہو تو قاضی اس کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو، مقدمہ سنایا گیا، آخر قاضی نے فیصلہ کیا، کہ بادشاہ پر جرم ثابت ہے اسے چاہئے کہ مدعی یعنی ہندو امیر کو راضی کرے، ورنہ اس سے قصاص لیا جائے گا چنانچہ سلطان نے امیر کو رضا مند کر لیا، اور قاضی نے اسے بری کر دیا۔“

اس سے بھی عجیب تر واقعہ سنئے،

”ایک امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اس کو بلا سبب مارا ہے، قاضی کے سامنے معاملہ گیا تو اس نے حکم دیا کہ بادشاہ یا تو لڑکے کو راضی کرے ورنہ قصاص دے، ابن بطوطہ خود اپنی آنکھوں دیکھی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ بادشاہ نے لڑکے کو دربار میں بلا کر اس کے ہاتھ میں چھری دی اور کہا اپنا بدلہ لے لے اور اس کو اپنے سر کی قسم دلائی، کہ جیسا میں نے سنجہ کو مارا ہے تو بھی مجھے مار۔ چنانچہ لڑکے نے ہاتھ میں چھری لے کر اکیس چھری بادشاہ کے مارے یہاں تک کہ ایک دفعہ اس کی کلاہ بھی سر سے گر پڑی۔“

کیوں اب ہمارے زمانہ میں حکمرانوں میں یہ عدل گستری پائی جاتی ہے؟ اے کاش حکمران طبقہ ان واقعات کو پڑھتا اور سبق حاصل کرتا، آزاد بھارت اور پاکستان میں لاکھوں ہزاروں مسلم ہندو قتل کر دیتے کئے ہر کسی نے کوئی نہ تبرک نہ لی، قاتل کی نکسیر تک نہ پھوٹی، کہا جاتا ہے دُعا نے مل کر بعض منصف اور عدل گستر کو قتل کر ڈالا، مگر مقدمہ تک چلنے کی نوبت نہ آئی، ردس جو امیر تھے کاعامی ہے اس نے اپنے ملک کے ایک مدبر کو بات کی بات میں مار ڈالا مگر سمجھا ہی گیا کہ انصاف

کیا آیا، اس دور میں اپنے جرم کا اعتراف کون کرتا ہے؟

ملک مسلمانوں کا عروج و زوال ۱۹۵۷ء تک ایضاً

حیاتِ شیخ عبدالحق

۱۰

(ابو الماثر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی)

فاضل گرامی جناب خلیق احمد صاحب نظامی ہم سب کے شکر یہ کے مستحق اور قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے حیاتِ شیخ عبدالحق لکھ کر اردو لٹریچر میں بہت اہم اضافہ فرمایا۔ ان کی اس کتاب کو پڑھ کر میں بے حد محظوظ ہوا، اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص یہ کتاب پڑھ کر ان کی تلاش و جستجو اور فہمت و کاوش کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس اعتراف کے ساتھ ساتھ فاضل مصنف سے معافی چاہتے ہوئے اتنا اور بھی عرض کروں گا کہ ان تمام خوبیوں کے باوجود کسی کسی موقع پر توجہ نہ ہونے یا مواد نہ ملنے کی وجہ سے کچھ فروگزاشتیں بھی ہو گئی ہیں، جن کی نسبت میں امید کرتا ہوں کہ دوسرے ایڈیشن میں باقی نہ رہیں گی۔ اس وقت اس سلسلہ میں میرے سامنے جو چیز باتیں ہیں ان کو اس لئے سپرد قلم کرتا ہوں کہ جب تک دوسرے ایڈیشن کی نوبت نہیں آتی اس وقت تک اگر انہیں چند سطروں کو چھاپ کر حیاتِ شیخ عبدالحق کا ضمیمہ بنا دیا جائے تو فی الجملہ ان فروگزاشتوں کی تلافی ہو جائے گی۔ اس کتاب میں سب سے بڑی کمی جو مجھے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں شیخ محدث کے تلامذہ و مسترشدین کا کوئی باب یا عنوان نہیں ہے، حالانکہ حیاتِ شیخ کا یہ ایک نہایت سنبھلادار ورق ہے، جس کا اس لا جواب تصنیف میں موجود ہونا اس کی زینب و زینت کے لئے بھی ضروری تھا، نیز اس کے بغیر کتاب کا موضوع بھی تشنہ نظر آتا ہے۔

مگر ہم کو فاضل مصنف کی معذوری کا پورا احساس ہے، شیخ محدث کے معاصر یا قریب العید ذکروں کی نایابی یا کم یابی کی وجہ سے اس باب کے لئے خاطر خواہ مواد فراہم نہیں ہو سکا، کتنے

تعجب کی بات ہے کہ شیخ محدث بیٹا سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد اٹھارہ برس تک روانگی حجاز سے پہلے اور باؤن برس تک واپسی کے بعد مسند درس و ارشاد پر متمکن رہے اور ہنگامہ تعلیم و ارشاد برقرار رکھا، اس طویل مدت میں خدا ہی بہتر جانتا ہے کتنے خوش نصیبوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا ہوگا، اور کتنوں نے روحانی برکتیں حاصل کی ہوں گی، مگر آج ذرائع تحقیق و تفتیش کے فقدان کی وجہ محدودے چندانوں سے زیادہ دستیاب نہیں ہو سکے مجھ کو اس وقت جو نام مستحضر ہیں ان کو پیش کرتا ہوں۔

(۱) شیخ نورالحق صاحبزادہ شیخ محدث کا نام ان کے تلامذہ میں سرفہرست ہے، اولاد شیخ محدث کے عنوان کے ماتحت نظامی صاحب ان کا ذکر کر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اتنا اضافہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نورالحق کے فیض صحبت سے جس طرح ان کی اولاد نے علم حدیث میں کمال پیدا کیا دوسرے فضلاء نے وقت بھی اس دولت سے مالا مال ہوئے، ازاں جلد میر سید مبارک بلگرامی محدث ہیں جن کو آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں قطب المحدثین کے لقب سے یاد کرتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں وہ جب تک دہلی میں رہے، برابر شیخ نورالحق کے مکان میں سکونت پذیر اور شب و روز استفادہ میں مصروف رہے۔ نواب صدیق حسن نقضار میں لکھتے ہیں۔

ازاول تا آخر سجادہ شیخ نورالحق بن شیخ
عبدالحق دہلوی سکونت ورزید و علم
حدیث ازاں جناب اخذ کرد و دریں
فن اشرف تہارتے عالی بہم رسانید
و تمام عمر در خدمت کلام نبوی فنا ساخت

سید مبارک محدث کے حالات معلوم کرنے کے لئے مآثر الکرام و نقضار کا مطالعہ کرنا چاہیے ان کا سن وفات ۱۱۱۵ھ اور مزار بلگرام میں ہے۔ سید مبارک سے علم حدیث کی تحصیل و تکمیل

سید عبد الجلیل بگرامی المتوفی ۱۱۳۸ھ نے اور شاہ طیب بن سید نعمت بگرامی المتوفی ۱۱۵۲ھ نے
کی، آزاد بگرامی سید عبد الجلیل کے ذکر میں لکھتے ہیں اخذ الحدیث عن قطب المحدثین
منہج الحج الطواہی مولانا السید مبارک الحسینی الواسطی البگرامی المتوفی
سنت خمسہ عشر ومائۃ و الف وهو اخذ عن الشیخ نور الحق وهو عن ابیہ
الشیخ عبد الحق الدہلوی (سبحہ المرجان ص ۷) اور شاہ طیب بگرامی کے ذکر میں فرماتے
ہیں، کہ حدیث از قطب المحدثین سید مبارک سند کرڈ (ماثر الکرام)

شیخ نور الحق کے حلقہ درس میں جو فضلا شریک ہوئے اور ان سے سند فضیلت حاصل
کی ان میں حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی المتوفی ۱۱۸۸ھ کو خاص امتیاز حاصل ہے اس لئے کہ حضرت
ملا نظام الدین سہالوی سے لے کر آج تک کے تمام علمائے فرنگی محل اور سلسلہ نظامیہ کی دوڑ
شاخوں کے تمام علمائے ہند علوم درسیہ میں شاہ پیر محمد رحمہ اللہ کے شاگرد و تلمیذ ہیں اور ان کے
واسطے سے سب کا سلسلہ حضرت شیخ عبد الحق دہلوی سے مل جاتا ہے (ملاحظہ ہو باقیات صالحات
مصنفہ مولانا عبد الباری اور دیگر رسائل علمائے فرنگی محل)

(۲) شیخ ہاشم فرزند شیخ دہلوی

(۳) رضی الدین ابوالمنائب شیخ علی محمد فرزند شیخ دہلوی

(۴) شیخ ابوالبرکات دلی الدین عبد البنی

(۵) شیخ ابوالسعادت کمال الدین ابوالرضا بارتن، شیخ دہلوی کے نواسے (یا پوتے)

یہ سب حضرات شیخ دہلوی کے اجازت یافتہ تھے، رسالہ مثبت الشیخ عبد الحق الدہلوی
کے ساتھ میں نے اس اجازت نامہ کی نقل دیکھی ہے جس میں ان سب حضرات کے نام
بہت بلند مدحیہ الفاظ کے ساتھ درج ہیں، اور حدیث کی جو کتابیں ان لوگوں نے شیخ دہلوی
کے پاس پڑھی ہیں ان کے نام بھی درج ہیں۔

(۶) مولانا محمد حمید دہلوی، مذکورہ بالا اجازت نامہ کے ساتھ ایک مستقل اجازت نامہ

مولانا محمد حیدر بن مولانا صادق بن مولانا حاجی علی کے نام سے بھی ہے جس کے آخر میں ۲۲ ذی القعدہ ۱۲۸۵ھ کی تاریخ ہے۔ اس رسالہ کے آخر میں ایک اور اجازت نامہ ہے جس میں مولانا حیدر نے شیخ مولانا احمد بن شاہ محمد بن ابراہیم کو حدیث کی سند اور روایت کی اجازت دی ہے، اور اس پر مولانا حیدر نے اپنا دستخط اس طرح کیا ہے محمد حیدر بن محمد صادق بن میر محمد علی الدہلوی مولانا الہمدانی اصلاً والجبفری نسباً۔

(۷) شیخ محمد حسین نقشبندی، اس رسالہ کے سرورق پر ایک تحریر شیخ احمد ابو الخیر مکی کی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مولف (شیخ عبدالحق دہلوی) سے شیخ محمد حسین نقشبندی اور ان سے شیخ حسن عجمی المونی روایت کرتے ہیں اور میں متعدد طرق سے بواسطہ شیخ عبدالحق روایت کرتا ہوں جن میں سب سے عمدہ اور صحیح طریق وہ ہے جو میرے شیوخ کی ان اسنادوں سے ہے جو شیخ حسن عجمی سے متصل ہوتی ہیں۔

(۸) اسی رسالہ کے سرورق پر یہ بھی ہے کہ شیخ صالح زوادی نے کتاب الامم کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ شیخ محمد فاسی شیخ عبدالحفیظ عجمی سے اور وہ محمد بن عبد الغفور سندی سے اور وہ شیخ عبد القادر مفتی سے اور وہ مولف (شیخ عبدالحق دہلوی) سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، شیخ عبد القادر مفتی سے مراد شیخ عبد القادر مفتی مکہ المتوفی ۱۳۵۰ھ معلوم ہوتے ہیں ان کا سماع یا لقاء شیخ دہلوی سے مستبعد ہے، غالباً ان کے اور شیخ کے درمیان ایک واسطہ چھوٹ گیا ہے۔

(۹) خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، عالم عامل، عارف کامل اور استاد علمائے کشمیر تھے، آپ نے ابتدا میں ابو الفقرا نصیب مسکین کی خدمت میں قرآن پاک یاد کیا اور ابتدائی علوم حاصل کئے، فنون کی تحصیل مولانا جوہر ناتھ کے پاس کی، آخر میں حضرت شیخ محدث کے ہاتھ پر بیعت کی اور علوم حدیث کی تحصیل کر کے ان علوم کی اجازت بھی ان سے پائی، اسرار الابرار میں ہے۔ ”در آخر مرید شیخ عبدالحق دہلوی شدہ و تحصیل علوم حدیث پیش او کردہ و حضرت دران

لہ اصل میں یوں ہی ہے مگر صحیح محمد ہاشم بن عبد الغفور ہے ۱۲ حبیب الرحمن

خواجہ حیدر کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں میں حضرت شیخ کے پاس تحصیل علم میں مصروف تھا ایک دن شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم رات دن تحصیل علم میں لگے رہتے ہو قرآن پاک کب پڑھتے ہو، پھر ایک دن فرمانے لگے کہ میرا جی چاہتا ہے شب برات کو تم سے ایک ختم نماز میں، سنو چنانچہ شب برات کو میں حاضر خدمت ہوا، شیخ نے مجھ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا، میں نے آگے بڑھ کر تحریمہ باندھا، شیخ نے بھی میری اقتدا میں تحریمہ باندھا، اس کے بعد میں نے پڑھنا شروع کیا اور اسی رات میں پورا قرآن سنا دیا کسی ایک جگہ بھی لقمہ دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی، صبح کو شیخ نے فرمایا کہ بسیار خوب خواندی و ضبط بہایت داری (تم نے بہت اچھا پڑھا اور خوب یاد رکھا ہے) لیکن اگر حقوڑا علم مخارج اور قواعد قرأت بھی حاصل کر لو تو بہتر ہو اس کے بعد میں نے شیخ سے علم مخارج اور اصول قرأت کی تحصیل کی۔ (اسرار الابرار)

خواجہ حیدر قرآن یاد کرنے کے بعد مدۃ العمر ہر سال پورا قرآن تراویح میں پڑھتے رہے، یہ کبھی فوت نہیں ہوا الا یہ کہ ایک سال سفر کی وجہ سے چھوٹ گیا تو دوسرے سال اس کی قضا کی۔
۱۰۵۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ بابا داؤد مشکوٰتی مصنف اسرار الابرار ان کے شاگرد ہیں خواجہ حیدر کا ذکر حدائق الحنفیہ اور تذکرہ علمائے ہند میں بھی ہے۔

(۱۰) مولانا سلیمان احمد آبادی — آپ کی نسبت تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے از خدمت شیخ عبدالحق دہلوی کسب فیوض نمودہ، فاضل متبحر گشت، تصانیف عالیہ از ویادگار اند (تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۱) ان کی یادگار ہیں۔

ان کا سال وفات معلوم نہیں۔ ان سے ان کے لڑکے مولانا احمد احمد آبادی نے علم حدیث و دوسرے علوم کی اجازت لی، مولانا احمد کیپتا نے روزگار عالم بھنے، تمام علوم میں ان کو دسترس حاصل تھی، اور اکثر علوم میں ان کی تصنیفات پائی جاتی ہیں، ان کے علم کلام میں ان کی کتاب برہان افغان

ہے، زیادہ تر مولانا محمد شرافت کے پاس تحصیل علم کی، اور علوم عقلیہ مولانا ولی محمد خانو سے، تصوف
میاں شیخ فرید سے اور علم ریاضی شاہ قباد مخاطب دیانت خاں سے حاصل کیا۔ مولانا احمد نے
۱۲۷۵ھ میں وفات پائی، آپ کا اور آپ کے والد بزرگوار مولانا سلیمان کا مزار احمد آباد میں ہے
(تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۱) مولانا احمد بن سلیمان - شیخ فتح محمد بن شیخ عیسیٰ برہان پوری کے بھانجے
میں اور شیخ نے مفتاح الصلوٰۃ انھیں کے لئے تصنیف فرمائی تھی جیسا کہ خود ہی مفتاح الصلوٰۃ کے
خاتمہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

مولانا احمد سے اکثر علوم ظاہر مولانا شیخ نور الدین احمد آبادی نے حاصل کئے، تذکرہ علمائے ہند
میں ہے، تحصیل اکثر علوم ظاہر از آخوند مولانا احمد بن آخوند مولانا سلیمان نمودہ (ص ۲۴۷) سبجہ المرجان
میں بھی مولانا احمد سے مولانا نور الدین کے تلمذ کا ذکر ہے۔ مولانا نور الدین ملبذ پایہ محدث تھے انھوں
نے صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام نور القاسمیؒ اس کتاب کا قلمی نسخہ بکھڑوچ
کے محکمہ قضاۃ کے کتب خانہ میں موجود ہے، مولانا نور الدین نے ۱۱۵۵ھ میں وفات پائی۔

مولانا نور الدین کے علوم و معارف کے وارث ان کے فرزند شیخ محمد صالح عرف پیر بابا
تھے، انھوں نے شانزادہ محمد معظم کی فرمائش پر رسالہ چہل حدیث کا فارسی ترجمہ تحفۃ العرفان
کے نام سے لکھا ہے، اس رسالہ کا قلمی نسخہ بھی مذکورہ بالا کتب خانہ میں ہے (معارف ج ۱ ص ۲۶)
پیر بابا کی وفات ۱۱۴۷ھ میں ان کے والد کی حیات میں ہوئی (تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۵)

(۱۱) ملا عبد الحکیم سیال کوٹی المتوفی ۱۱۶۷ھ نے بھی شیخ محدث سے استفادہ کیا ہے
اور شیخ نے ان کو اپنی کتابوں کی روایت کی اجازت دی ہے، اور ان سے ان کے لڑکے
عبد اللہ لبیب نے ان کتابوں کی روایت کی، عبد اللہ لبیب سے عبد اللہ بن سعد اللہ

لہ قاری شیخ محمد قلمی نسخہ رام پور میں ان کا ذکر ہے، ۱۲۷۵ھ میں وفات ہوئی ۱۲۷۵ھ عبد اللہ لبیب فرزند
ملا عبد الحکیم کی عالم گیر بہت قدر کرتے تھے، ان کی تصنیفات میں تلویح کا حاشیہ تفریح ہے (حدائق الغنیہ)
اور صاحب تذکرہ علمائے ہند نے لکھا ہے کہ یزدادی علوم از پور قافی برآمدہ (ص ۵۲) کہ عبد اللہ بن ملا
سعد اللہ پوری زیل مدینہ منورہ شیخ ابو ظاہر کردی کے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کردی کے بھی، ستاد و شیخ تھے
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

لاہوری المتوفی ۸۳۰ھ نے اور ان سے حضرت شاہ ولی اللہ کے شیخ الحدیث ابو طاہر کر دی نے روایت کی ہے، حضرت شاہ صاحب شیخ ابو طاہر کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”ازال جملہ شیخ عبد اللہ لاہوری و کتب ملا عبد الحکیم سیالکوٹی از دوسرے روایت کند عن الشیخ عبد اللہ البلیب عن مولانا عبد الحکیم و کتب شیخ عبد الحق دہلوی ہمیں واسطہ از مولانا عبد الحکیم روایت کند و سے از شیخ عبد الحق اجازت روایت (الناس العین) (۱۳) سید شاہ طیب ظفر آبادی، سادات سیوان کی نسل سے تھے، حضرت شیخ عبد الحق محمد دہلوی کی خدمت میں علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ اور بڑا فیض حاصل کیا فراغ کے بعد ایک مدت تک درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد خدا طلبی کی دھن پیدا ہوئی اور شیخ کامل کی تلاش میں پھرتے پھرتے جھوسی پہنچے اور وہاں حضرت شیخ تاج الدین جھوسوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اور چند دنوں میں خلافت سے بہرہ ور ہوئے، حقوڑے عرصہ تک جھوسی اور بنارس کے اطراف میں قیام رہا، پھر ظفر آباد آکر محلہ مخدوم پور میں سکونت اختیار کر لی، اور وہیں انتقال فرمایا، مزار ظفر آباد (ضلع جونپور) میں ہے (تجلی نور ص ۳۲ حقہ دوم) مصنف بحر ذکار کے جد اعلیٰ شیخ محمد محمود قلندر ان کے ارشد خفقار میں ہیں (تحفۃ الابرار

ورق ۳۳) اور تجلی نور میں شیخ دانیال بنارسی کو بھی ان کا خلیفہ بتایا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، شیخ دانیال بنارسی المتوفی ۸۱۵ھ حضرت شیخ عبد السلام قلندر جونپوری عرف شاہ علن المتوفی ۹۶۶ھ کے خلیفہ تھے کما فی النہات العبریہ (ص ۱۱) اور بقول صاحب تحفۃ الابرار شیخ سلطان محمود المتوفی ۹۹۷ھ (جو شیخ مبارک خیر محمدی جیشتی المتوفی ۹۸۳ھ کے مرید اور شاہ اڈھن جونپوری المتوفی ۹۷۶ھ اور شاہ عبد السلام مذکور کے خلیفہ تھے کما فی النہات) کے خلیفہ تھے، ملا عزیز اللہ کا بیان ہے کہ ہمارے والد شیخ حسین (المتوفی ۸۰۸ھ) ان کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے تھے، وہ (شاہ طیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور انہوں نے عبد اللہ الصالح المحمداً لصفوی کے اوصاف کے ساتھ ان کا نام لیا ہے، شیخ عبد اللہ لاہوری نے مدینہ منورہ میں ۸۱۵ھ میں وفات پائی (الامم ص ۵) اور شیخ ابراہیم کر دی نے ۸۱۵ھ میں (الناس العین ص ۵) اور خاتمہ امم میں ہے کہ ۸۱۵ھ میں یا ۸۱۶ھ میں ۱۲ منہ لہ المتوفی ۸۱۵ھ کما فی الناس العین ۱۲ منہ لہ المتوفی ۸۱۵ھ (مناقب النازنین ج ۱) تہ المتوفی ۸۱۵ھ علی مافی النہات العبریہ ۱۲ منہ

بہت مہمراور اجلہ مشائخ میں سے تھے، ان کو بہت سے اہل اللہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا، اب ان کے خلیفہ شیخ الشیوخ شیخ بڑھن ظفر آبادی ہیں جن کا سن شریف اس وقت (یعنی ۱۰۲۵ھ) میں اسی سے زیادہ ہے، میں ان کی زیارت سے بارہا مشرف ہوا ہوں (تحفۃ الابرار قلمی ورق ص ۱۷) اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۲۵ھ سے پہلے شاہ طیب کا انتقال ہو چکا تھا قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ میر سید طیب کی وفات گیارہویں صدی کے اوائل یا دسویں کے اواخر میں ہوئی (۱۳) مخدوم دیوان عبدالرشید جو پوری مصنف مناظرہ رشیدیہ، آپ کا ذکر آزاد بلگرامی نے سبحة المرجان میں کیا ہے، نیز تذکرہ علمائے ہند و حدائق الحنفیہ و مناقب العارفین دکن رشیدی و نفحات العنبر یہ وغیرہ متعدد کتب میں آپ کے حالات مذکور ہیں، آپ ملا محمود جو پوری کے معارف و ہم سبق اور استاذ الملک ملا محمد افضل جو پوری اور ملا شمس نور بدوی کے شاگرد رشید تھے اور حضرت مخدوم طیب بنارسی کے چشتی سلسلہ میں خلیفہ تھے، دوسرے بزرگوں سے اجازت و خلافت حاصل تھی، ۱۰۸۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی، سال ولادت سنہ ۱۰۸۳ھ سے۔

تذکرہ علمائے حنفیہ میں مذکور ہے

دیوان صاحب نے سند حدیث شریف کی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، وقت پڑھنے حدیث شریف کے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میان نور الحق! دیوان صاحب حدیث شریف پڑھتے ہیں ہم سنتے ہیں، تم بھی سنتے جانا، دیوان صاحب نے کتب صحاح ستہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا اس کے بعد شیخ نے آپ کو سند حدیث شریف کی دی، اس کے بعد دیوان صاحب دہلی سے جو پور شریف لائے (ص ۱۵۹)

اور نفحات العنبر یہ میں ہے کہ "اجازت حدیث آپ کو حضرت شیخ نور الحق بن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے حاصل تھی" (ص ۱۶۱)

(۱۴) مخدوم شاہ طیب بنارسی، منڈواڈیہ (بنارس) میں آپ کا مزار زیارت گاہ خلافت ہے، آپ حضرت تاج الدین جھوسوی کے خلیفہ ارشد اور مولانا خواجہ کلاں کے مرید تھے، آپ کے

مفصل حالات حضرت شاہ یسین صاحب نے مناقب العارفین میں لکھے ہیں، آپ کی وفات ۱۲۰۲ھ میں ہوئی۔

شاہ یسین صاحب فرماتے ہیں
و تعینک برائے زیارت پیراں، شیخ بجانب
حضرت دہلی رفتہ بود، شیخ الاسلام
قدوة الانام استاد المفسرین امام المحدثین
حاجی الحرمین الشریفین بندگی میاں
شیخ عبدالحق دہلوی البخاری کہ دران
وقت مقتدائے سلسلہ علیہ قادریہ بود
ملاقات واقع شد و دوسے را شیخ کامل
و مکمل یافت و سلسلہ اش صحیح و درست
دید اجازت ایں سلسلہ شریفہ از مے
گرفت و خرقہ قادریہ از دست و کپوشید

جس وقت مخدوم صاحب پیران سلسلہ کی زیارت
کے لئے دہلی گئے تو وہاں شیخ الاسلام قدوة الانام
استاد المفسرین امام المحدثین حاجی الحرمین الشریفین
بندگی میاں شیخ عبدالحق دہلوی بخاری سے ملاقات
ہوئی جو اس وقت سلسلہ عالیہ قادریہ کے پیشوا تھے،
ان کو شیخ کامل و مکمل اور ان کے سلسلہ کو درست
پایا اس لئے اس سلسلہ کی اجازت ان سے لی
اور ان کے ہاتھ سے خرقہ قادریہ پہنا۔

مناقب العارفین میں یہ بھی ہے کہ حضرت تاج الدین جھوسوی کی وفات کے بعد (یعنی ۱۲۰۲ھ کے بعد) مخدوم صاحب دہلی گئے تھے۔

(۱۵) عارف کامل مولانا شاہ عبد الجلیل الہ آبادی خلیفہ حضرت شیخ محمد صادق گنگوہی بھی
حضرت شیخ محدث دہلوی کے شاگرد رشید تھے (انوار العاشقین ص ۱۷)
اس وقت جو نام میری یاد میں تھے ان کو میں نے پیش کر دیا مجھے امید ہے کہ کافی جستجو سے
مزید نام بھی مل سکتے ہیں۔

اولاد شیخ محدث

یہ عنوان حیات شیخ عبدالحق میں موجود ہے مگر اس میں اضافہ کی ابھی بہت زیادہ گنجائش

ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ مصنف نے استیجاب کا ارادہ نہیں کیا ہے ورنہ وہ خود اس میں اضافہ کر سکتے تھے، تاہم اس ذیل میں حضرت حافظ محمد محسن قدس سرہ کا نام نہ آنے کی وجہ سے ہم کو بڑی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

(۱) حضرت حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت شیخ محدث کے درمیان کتنے واسطے ہیں۔ اس کی تحقیق تو نہیں ہو سکی، لیکن وہ بالاجماع حضرت شیخ کی اولاد میں تھے، اور کم از کم درمیانی واسطے تین ہوں گے، حافظ صاحب جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے، اور دہلی میں آپ کے وقت میں علماء فضلانے شہر میں سے کسی کو آپ کے ساتھ برابری کی جرات نہ تھی، جیسا کہ صاحب حدائق الحنفیہ کا بیان ہے۔

باطنی سلسلہ میں آپ عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم (المتوفی ۱۰۸۷ھ) کے خلیفہ ارشد تھے، اور خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے خلف الصدق و خلیفہ اعظم تھے، حضرت میرزا مظہر جانناں قدس سرہ فرماتے تھے کہ جس وقت حضرت سید نور محمد کے پیر حضرت حافظ محمد محسن خواجہ صاحب (خواجہ محمد معصوم) کی خدمت میں استفادہ کے لئے حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کے بزرگوں نے ہمارے بزرگوں کا (ابتدا میں) انکار کیا تھا، آپ انکار کے ساتھ آئے ہیں یا اقرار کے ساتھ، حافظ صاحب نے کہا کہ بھیت استعذار از انکار (انکار سے عذر خواہی کے لئے حاضر ہوا ہوں) اس کے بعد خواجہ صاحب کی صحبت میں رہ کر درجہ کمال و تکمیل کو پہنچے (مقامات مظہری ص ۳۱) اور بقول صاحب حدائق الحنفیہ ورع و تقویٰ و زہد و ریاضت میں یکمائے روزگار ہو کر خلافت کا خرقہ حاصل کیا (ص ۳۲)

حضرت حافظ صاحب کے کمالات اور ان کے مرتبہ کی بلندی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ حضرت سید نور محمد بدایونی (حضرت میرزا مظہر جانناں کے پیر و مرشد) کے پیر تھے جیسا کہ میرزا صاحب کی زبانی آپ ابھی سن چکے، اور خود سید صاحب بھی ان کا نام یوں لیتے تھے پیر خود حضرت حافظ محمد محسن (ہمارے پیر حضرت حافظ محمد محسن) (مقامات مظہری ص ۹)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی، سید صاحب کے حال میں لکھتے ہیں

دبخدمت حضرت حافظ محمد محسن کہ
از اولاد شیخ عبدالحق محدث و خلفاء
حضرت الیساں محمد مصوم اندر حجتہ اللہ
علیہم رسیدہ سالہا تحصیل فیوض صحبت
کردہ بجلالت بلند و مقامات ارجمند
مشفرت شدہ اند (مقامات منظری ص ۸)
اور حضرت حافظ محمد محسن (جو شیخ عبدالحق محدث
کی اولاد میں از حضرت خواجہ محمد مصوم کے خلفاء
میں تھے) کی خدمت میں برسوں رہ کر صحبت
کے فیوض حاصل کئے اور بلند حالات و مقامات
سے مشرف ہوئے۔

خود سید صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے پیر حضرت حافظ محمد محسن کے مزار
کی زیارت کو گیا، مراقبہ کیا تو معلوم ہوا کہ بدن شریف اور کفن بالکل درست ہے، ہاں پیر کے
تلوے کے چمڑے اور اس جگہ کے کفن پر مٹی کا اثر ہو گیا ہے، وجہ پوچھی تو فرمایا کہ تم کو معلوم ہو گا
کہ ایک اجنبی کا پتھر وضو کی جگہ ہم نے اس ارادہ سے رکھ لیا تھا کہ جب اس کا مالک آجائے گا
تو اس کو دے دیں گے، اتفاق سے ایک بار اس پر ہم نے قدم رکھ دیا تھا، اسی کام کی
نخواست سے مٹی کا یہ اثر ہو گیا ہے (مقامات منظری ص ۹)

حضرت حافظ صاحب کی وفات ۱۱۴۷ھ میں ہوئی، (حدائق ص ۱۲۲) و تذکرہ علمائے ہند
ص ۲۱۲) مزار حضرت شیخ محدث کے قبرستان میں ہے (مزارات اولیائے دہلی)
ان مختصر حالات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ محدث کی اولاد میں
حضرت حافظ محمد محسن کی شخصیت بڑی اہم شخصیت ہے، حضرت میرزا مظہر جانجاناں
اور حضرت شاہ غلام علی قدس سرہما کے سلسلہ سے ہندو بیرون ہند میں جتنے حضرات صوفیہ
والبتہ ہیں، حافظ صاحب ان سب کے شیخ الشیوخ ہیں، اور اس لحاظ سے اولاد شیخ عبدالحق
میں ان کا نام کسی طرح نظر انداز نہ کرنے کے قابل نہیں ہے، اسی طرح چند اور نمایاں ہستیوں
بھی ہیں جن کا ذکر اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۲) حضرت شیخ محمد احسان رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ حضرت میرزا مظہر قدس سرہ، آپ کی نسبت شاہ غلام علی صاحب فرماتے ہیں۔

از قدامت اصحاب و کمل خلفائے
حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے قدیم اصحاب
حضرت ایساں از اولاد حضرت حافظ
اور کامل ترین خلفا میں اور حضرت حافظ محمد
محمد محسن در نسب بشیخ عبدالحق رحمۃ اللہ
کی اولاد سے تھے، نسب میں شیخ عبدالحق سے
علیہم میرسند (مقامات مظہری ص ۷) ملتے ہیں۔

(۳) شیخ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ حضرت میرزا مظہر قدس سرہ، آپ کی نسبت مقلات مظہری میں مذکور ہے کہ شیخ محمد احسان کے بھائیوں میں تھے، حضرت میرزا صاحب قدس سرہ کے زبدۂ احباب اور مخصوص اصحاب میں آپ کا شمار ہے (ص ۲)۔

(۴) شیخ مقرب اللہ، اب ہم ایک ایسی ہستی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو جسمانی حیثیت سے ان کی اولاد میں شمار ہوتی ہے اور علمی حیثیت سے ان کے مسند کی وارث ہے، شیخ مقرب اللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے، شیخ مقرب اللہ بن جبار اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن شیخ عبدالحق میرزا محمد بدخشی نے آپ کو علامۃ المتفکرات (مختلف فنون کے ماہر علامہ) کے اوصاف کے ساتھ ذکر کر کے لکھا ہے کہ آپ نے دہلی میں رمضان ۱۲۳۷ھ میں وفات پائی، اس وقت آپ کی عمر تقریباً ساٹھ برس تھی اس کے بعد لکھا ہے

وہو اول من قرأت علیہ الحدیث وہ پہلے شخص ہیں جن کے پاس میں نے حدیث
(تاریخ محمدی) ۷

پڑھی

(۵) مولانا مفتی اکرام الدین المتخلص بہ حیران سلسلہ نسب یہ ہے، اکرام الدین بن مولوی نظام الدین بن مولوی محب الحق بن شیخ نور الحق ثانی بن شیخ محب اللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق۔

۷ "معارف" اگست ۱۹۷۷ء

دہلی میں ۱۱۹۱ھ میں پیدا ہوئے، علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد اور مولوی حافظ محمد کاظم، و مولوی فائق علی (شاگرد سحر العلوم مولانا عبد العلی) و مولوی مدن و مولوی سدن و مولوی خواجہ احمد جالندھری سے حاصل کئے

آپ کے والد مولوی نظام الدین میرزا جہاندار شاہ جواں بخت کے استاد اور تالیق تھے، آپ کے دادا مولوی محب الحق اور ان کے والد شیخ نور الحق ثانی اور اپنے زمانہ میں خود مفتی اکرام الدین پانی پت کے عہدہ قضا اور دہلی کی مسند افتاء پر متمکن رہے۔

نواب سید علی حسن خاں لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت شان کے لحاظ سے شاعری ان کے مرتبہ سے بہت فرد ترجیح ہے تاہم موزونی طبیعت کی بنا پر نکتہ سنج شاعر تھے، ایک ہزار بیت سے زیادہ پر مشتمل ایک دیوان ان کی یادگار ہے (صبح گلشن ص ۱۱۱)

اساتذہ شیخ محدث

اس عنوان کے تحت ہم کو یہ گزارش کرتا ہے کہ ہندوستان میں حضرت شیخ نے جن دانش مندوں سے علم حاصل کیا ہے ان کے نام تو معلوم نہیں ہو سکے، لیکن حجاز میں شیخ عبد الوہاب متقی کے سوا دیگر علمائے وقت کے سامنے بھی شیخ محدث نے زانوئے تلمذہ کیا ہے اور ان سے حدیث کی سندی ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں،

و باجازت نامہ عام و شامل و کامل تمامہ کتب احادیث و سائر علوم دینیہ از علمائے کرام آل عالی مقام مشرف و فائز گشتہ (تالیف ص ۱۱)

شیخ عبد الوہاب متقی کے ساتھ ان علمائے کرام کا تذکرہ بھی ہونا چاہئے تھا، ہم کو ان میں سے ایک محدث کا نام پہلے پہل حدائق الحنفیہ کے ذریعہ معلوم ہوا ہے، اس لئے اس جگہ پہلے حدائق کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

(۱) شیخ علی بن جابر اللہ قرشی خالدی مخزومی مکی، خالد بن ولید کی اولاد میں مکہ معظمہ میں رہتے تھے

اپنے وقت کے فقیہ فاضل، محدث کامل، مفتی و خطیب مکہ تھے، آپ ہی تھے جو اس وقت صحیح بخاری کا جیسا کہ چاہئے درس علی الاطلاق دے سکتے تھے، فصاحت و بلاغت اور سلاست طبع و نظامت تقریر و تحریر اور حسن خلق میں دستگاہ کامل رکھتے تھے علاوہ اس کے درویشوں کی محبت اور اعتقاد مشائخ اور قلت طعام اور ریاضت نفس میں بھی آپ کو بہرہ وافر حاصل تھا، تمام روز حصائے حرم شریف پر بیٹھ کر امور دینیہ و مقاصد علمیہ کو انجام دیتے، اور افتاء و تدریس میں مصروف رہتے تھے، اکابر و شرفاء کی تزویج و خطبہ خوانی میں بھی آپ ہی سے لوگ تبرک چاہتے تھے، صرف آپ اور آپ کے والد بزرگوار حنفی المذہب تھے، اور سب قوم آپ کی شاغی تھی، آپ کو فتوے کے کتاب دیکھنے کی کچھ احتیاج نہ ہوتی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کتب احادیث خصوصاً صحیح بخاری آپ ہی سے پڑھی اور احادیث کی سند حاصل کی، کئی دفعہ صحیح بخاری کے مذاکرہ کے وقت شیخ عبدالحق سے فرماتے تھے کہ سجاد جو تم نے مجھ سے حاصل کیا ہے اس سے فائدہ لینا میرا زیادہ ہے شیخ علی بن جابر اللہ کو شیخ علی متقی سے نہایت اعتقاد تھا اور انھوں نے آپ کو اپنا خرقہ بھی مرحمت فرمایا تھا۔ آپ شیخ عبد الوہاب سے بھی بڑی محبت رکھتے تھے (حدائق الحنفیہ ص ۶۲)

غالباً یہ حالات مصنف حدائق نے زاد المتقین سے لئے ہیں، زاد المتقین میرے پاس نہیں ہے۔ مصنف حیات شیخ عبدالحق نے جابجا زاد المتقین کے حوالے دیئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصنیف کے وقت وہ کتاب ان کے پیش نظر تھی، پھر تعجب ہے کہ اس باب میں انھوں نے اس سے کیوں مدد نہیں لی۔

فقیر اقم الحروف کے مطالعہ سے حضرت شیخ عبدالحق کا ایک قلمی رسالہ گذرا ہے، جس کا نام اس کے سرورق پر ثبت الشیخ عبدالحق الدہلوی لکھا ہوا تھا، میرا خیال ہے کہ وہ وہی رسالہ ہے جس کا نام شیخ نے فہرست توالیف میں اجازۃ الحدیث فی القلیم و الحدیث لکھا ہے اس میں خود شیخ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ مجھ کو زبانی تو بہت سے علماء سے سند حاصل ہے